© rasailojaraid.com

ہندوستان میں مولانا روم کی مقبولیت

شریف حسین قاسمی

مولانا روم کو بجا طور پر ہمارے مفاخر میں شمار کیا جاتا ہے، شروع ہی سے انہیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے، بادشاہوں اور عوام نے ان سے محبت کی ہے، اپنوں اور غیروں نے ان کی بات سنی، یہ صورت حال آج بھی برقرار ہے، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلامی تعلیمات کے اس پہلو کو زیادہ اجاگر کیا جو انسان دوستی کے جذبات کی ترجمانی اور ہر طرح کے امتیاز کے بغیر بنی نوع انسان کی بھلائی پر زور دیتا ہے، سماج کے کمزور طبقے کے حق میں آواز اٹھانا، مولانا اور ان کے بعد بھی ایک طویل عرصے تک آمرانہ حکومتوں کے دور میں محض خواب و خیال تھا، مولانا نے یہ کام بھی نہایت سنجیدگی اور خلوص نیت سے انجام دیا کہ یہ خود اسلام کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے، مولانا نے صاحبان اقتدار کو یاد دلایا:

اسپ ہمت سوی اختر تاختی آدم مسجود را نشناختی

(آسمان کو فتح کرنے کے لئے گھوڑے دوڑا رہے ہو، افسوس یہ ہے کہ تم نے دنیا کے کمزوروں کو نہیں پہچانا، ان کی طرف توجہ نہیں کی، یہ تو اصل کام ہے)

مولانا کے اس رویے نے انہیں عوام الناس میں محبوب بنا دیا، عام انسان انہیں دربار خداوندی میں اپنا نمائندہ سمجھتا اور ان کے گن گاتا تھا۔

مولانا روم کی مثنوی ہو یا غزلیات، ان کے فکر کی بنیاد عشق و محبت پر استوار ہے، یہ عشق خدا سے ہے، اس کی مخلوق سے ہے، عشق مولانا کے لئے ''طبیب جملہ علت ہا'' (تمام بیماریوں کا علاج) ہے۔

شاد باش ای عشق خوش سودای ما ای طبیب جملہ علتہای ما

ای علاج نخوت و ناموس ما ای تو افلاطون و جالینوس ما

وہ عشق اور محبت کو ہر انسانی مرض کا علاج سمجھتے ہیں، انہوں نے عشق و محبت کے گوناگوں فوائد گنائے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

از محبت تلخہا شیرین شود از محبت مسّہا زرین شود
از محبت دردھا صافی شود وز محبت دردھا شافی شود
از محبت خارھا گل می شود وز محبت سرکہا مل می شود
از محبت نار نوری می شود وز محبت دیو حوری می شود
از محبت سنگ روغن می شود بی محبت موم آھن می شود
از محبت حزن شادی می شود وز محبت غول ہادی می شود
از محبت نیش نوشی می شود وز محبت شیر موشی می شود
از محبت سقم صحت می شود وز محبت قہر رحمت می شود
از محبت مردہ زندہ می شود وز محبت شاہ بندہ می شود

محبت سے کڑواہٹیں، مٹھاس میں بدل جاتی ہیں، معمولی دھات سونا ہو جاتی ہے۔

تلچھٹ کی آلودگیاں رفع ہو جاتی ہیں، بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے۔

کانٹے پھول بن جاتے ہیں، سرکہ شہد بن جاتا ہے۔

آگ نور میں تبدیل ہو جاتی ہے، دیو حور بن جاتا ہے۔

پتھر تیل ہو جاتا ہے اور اگر محبت نہ ہو تو موم بھی لوہا ہو جاتا ہے۔

محبت سے رنج خوشی میں بدل جاتا ہے، محبت سے گمراہ ہادی بن جاتے ہیں۔

ناگوار چیزیں گوارا ہو جاتی ہیں، شیر چوہا بن جاتا ہے۔

محبت بیماریوں کا علاج ہے، قہر رحمت میں بدل دیتی ہے۔

محبت مردہ کو زندہ کر دیتی ہے، اور بادشاہ کو غلام بنا دیتی ہے۔

مولانا نے اپنی سرگزشت میں صراحت سے اقرار کیا ہے کہ میں تو مر چکا تھا، زندہ ہو گیا، میں تو ماتم کرتا رہتا تھا، اب ہنس بولنے لگا، یہ سب دولت عشق کا کرشمہ ہے، یہ عشق، ابدی سعادت ہے جو مجھے نصیب ہو گئی۔

مردہ بدم زندہ شدم، گریہ بدم خندہ شدم دولت عشق آمد و من دولت پایندہ شدم

مولانا نے اپنی مثنوی میں ہندوستانی ماخذ سے مفصل استفادہ کیا ہے، پنچ تنتر اور جاتکا کی کہانیوں نے مولانا کے عقائد وافکار کے بیان میں ان کا ساتھ دیا ہے، مولانا نے ان کہانیوں سے نہایت دقیق عرفانی نتائج اخذ کیے ہیں، طوطی و بازرگان کی داستان میں تو یہ اشارہ ملتا ہے کہ مولانا یہ تسلیم کرتے تھے کہ نجات کا راستہ ہندوستان سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان میں بھی مولانا اور ان کی مثنوی کا خاطر خواہ استقبال کیا گیا، مختلف نسخوں کی بنیاد پر اس کو مرتب کیا گیا، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر شرحیں لکھی گئی ہیں، ان کے انتخاب تیار کیے گئے، فرہنگیں لکھی گئی، اس کی پیروی میں مثنویاں کہی گئیں اور حد تو یہ ہے کہ اس خیال سے کہ مولانا مثنوی مکمل نہیں کر سکے، اس پر ساتویں دفتر کا اضافہ کیا گیا۔

ایران کے ایک معروف ناقد وادبی مورخ عبدالحسین زرین کوب نے اپنی کتاب ''سرنی'' میں تجزیہ کیا ہے کہ:

''ایشیائے صغیر اور ایران میں مولانا کا نام اور کام رفتہ رفتہ مشہور ہوا۔ قونیہ میں مولانا سے وابستہ حلقۂ افراد کے باہر مولانا وفات کے بعد زیادہ معروف نہیں ہوئے۔ ایک مدت کے بعد مولانا کے نام لیواؤں نے یہ ارادہ کیا کہ مولانا اور ان کی مثنوی کو باہر کی دنیا میں متعارف کرایا جائے۔ خود ایران میں نویں صدی ہجری تک ہمیں مولانا اور ان کی مثنوی کا ذکر، شعراء اور دیگر لکھنے والوں کی تصانیف میں واضح طور پر نظر نہیں آتا۔ اگرچہ علماء الدولہ سمنانی کے رسالہ اقبالیہ، خواجو کرمانی، حافظ اور شاہ نعمت اللہ کے کلام میں مولانا کے افکار کی گونج سنائی دیتی ہے، لیکن نویں صدی ہجری میں ہرات کے ادبی مکتب کے وجود میں آنے کے بعد، مولانا اور ان کی مثنوی کا نام ابہام کے پردے سے باہر آتا ہے، اس کے بعد دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں بے شمار ایرانی شاعروں کے ہندوستان منتقل ہونے کے ساتھ، ہندوستان کے فارسی گو شعراء نے مولانا کو پہچانا، ان کی ستائش کی اور صاحبان ذوق نے ان کی مثنوی پر شرحیں لکھیں۔''

زرین کوب کے اس تجزیے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہندوستان میں مولانا کی مثنوی مغل دور میں متعارف ہوئی، لیکن یہ خیال درست نہیں، ہاں اتنا صحیح ہے کہ مغل دور میں مثنوی معنوی پر بہت کام کیا گیا، نئے نئے زاویوں سے کام ہوا اور بعض کام تو ہندوستان میں ایسے ہوئے جن کی مثال خود قونیہ اور ایران میں مشکل سے ملے گی۔

بوعلی شاہ قلندر وہ صوفی صافی ہیں جو تعارف کے محتاج نہیں، پانی پت میں ان کا مزار آج بھی مرجع خلائق ہے، ایک روایت کے مطابق متعدد دیگر عرفا کی طرح، انہوں نے بھی کسب فیض کی خاطر عالم اسلام کا سفر کیا تھا، اس سفر کے دوران وہ قونیہ بھی گئے تھے اور مولانا جلال الدین رومی اور ان کے مرشد شمس تبریزی سے ملے تھے۔ ان کی وفات ۱۳۲۳ء میں ہوئی اور مولانا روم ۱۲۷۳ء میں واصل بہ حق ہوئے۔ اس کے معنی ہوئے کہ مولانا رومی اور بوعلی شاہ قلندر ایک دوسرے کے معاصر ہیں اور ان کی آپس میں ملاقات خارج از امکان نہیں، بوعلی شاہ قلندر کی چند تصانیف آج بھی دستیاب ہیں، ان میں دو مثنویاں بھی ہیں، ایک کنز الاسرار اور دوسری گل وبلبل، گل وبلبل مولانا کی مثنوی کی بحر رمل مسدس مقصود (فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلن) میں کہی گئی ہے اور اس کے درج ذیل اشعار اس حقیقت کے غماز ہیں کہ یہ مثنوی نظم کرتے وقت بوعلی شاہ قلندر نے مولانا کی مثنوی کو اپنے سامنے رکھا تھا۔

مولوی فرمود نشنیدی مگر — سنگ گرمی بود، می کردی اثر
ای کمان و تیرھا بر ساختہ — صید نزدیک وتو دور انداختہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہر کہ دور انداز تر او دور تر　　　　وزچنین گنج است اور مہجور تر

اس کے یہ معنی ہوئے کہ مولانا اور ان کی مثنوی خود ان کی زندگی ہی میں ہندوستان میں متعارف ہو چکی تھی، یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مولانا مستقر قونیہ کے باہر، ہندوستان میں سب سے پہلے ان کی مثنوی کو ہمارے ایک عارف نے اپنے عرفانی افکار کے بیان کرنے کے لئے نمونہ قرار دیا۔

بوعلی شاہ قلندر کے تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے خلیفہ ارشد شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے جو ۱۸ ررمضان ۷۵۷/۱۴ ر سمبر ۱۳۵۶ء میں واصل بہ حق ہوئے، مثنوی سے استفادہ کیا تھا، خیر المجالس ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، انہوں نے قناعت، صبر اور کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے کی اہمیت پر گفتگو کے دوران مولانا روم کی مثنوی سے یہ ابیات نقل کی ہیں:

گفت پیغمبر کہ جنت از الٰہ　　　　گرہمی خواہی ز کس چیز مخواہ

در نخواہی، ضامنم پس مرترا　　　　جنت الماوی و دیدار خدا

تصوف میں وحدت الوجود کے مسئلہ کی اہمیت سے سب واقف ہیں، کم عارفین ایسے ہیں جنہوں نے اس تصور کی تائید وتصدیق نہ کی ہو، اس موضوع پر عارفین اور دانش مندوں نے تقریباً ہر دور میں کتابیں لکھی ہیں اور ابن العربی کی حمایت کی ہے، ظاہر ہے مثنوی معنوی میں بھی یہ موضوع زیر بحث آیا ہے اور مولانا روم نے اس کی تائید کی ہے، چشتی سلسلے کے ایک معروف بزرگ گیسو دراز نے جو شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلیفہ بھی ہیں، اپنے مکتوبات میں اس عقیدے کی تردید کی ہے، انہوں نے ابن العربی، عطار اور مولانا رومی کے اس نوعیت کے عقائد پر سخت اعتراض کیا ہے اور انہیں فریب اور اسلام دشمن قرار دیا ہے۔

وحدت الوجود سے متعلق یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہمیں تو یہ بتانا ہے کہ مولانا کی زندگی اور اس کے فوری بعد آٹھویں صدی ہجری میں ان کی شخصیت اور مثنوی کی گونج ہندوستان کے عرفا کی مجالس وتصنیفات میں سنائی دیتی رہی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا ہے، مغل دور میں مثنوی پر ہندوستان میں نہایت اہم، بنیادی اور قابل توجہ کام انجام دیا گیا، اس دور میں تو مثنوی، بقول حافظ سید محمد علی خیر آبادی (ولادت ۱۱۹۲/۹-۱۷۷۸ء) غیر مسلموں میں بھی مقبول تھی۔

مولانا کے بیٹے سلطان ولد اور ان کے ایک مرید احمد رومی نے مثنوی کے مشکل مقامات کی شرح لکھی تھی، اس کے بعد نویں صدی تک اس ضمن میں کوئی اہم کام انجام نہیں دیا گیا، مکتب ہرات کے نمائندہ شاعر و ادیب ملا عبدالرحمٰن جامی (م ۸۵۱ھ) اور ملا یعقوب چرخی (م ۸۵۱ھ) نے مثنوی کے آغاز کے حصے کی شرحیں لکھیں۔ جامی کی شرح منظوم اور خود مثنوی کے وزن میں ہے، اسی ادبی مکتب کے ایک نمائندے ملا حسین واعظ کاشفی نے لب لباب مثنوی لکھی اور درحقیقت مثنوی کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھنے کا طریقہ بتایا، لیکن اسے مثنوی کی تفسیر نہیں کہا جاسکتا، کمال الدین حسین خوارزمی (م ۸۴۰ھ) نے مثنوی کے تین دفتروں کی شرح لکھی، جس کا نام ''جواہر الاسرار و زواہر الانوار'' ہے، انہوں نے مثنوی پر کنوز الحقائق نام سے منظوم شرح بھی لکھی ہے، اس کے بعد صفوی دور کا ایران مولانا کے افکار کی اشاعت کے لئے سازگار نہ تھا، لیکن ایشیائے صغیر اور ہندوستان میں مثنوی پر ادبی محفلوں میں برابر اور باقاعدگی کے ساتھ گفتگو ہوتی رہی۔

مولانا کی مثنوی اور ان کے دیوان شمس سے متعلق جو کام مغل دور میں ہندوستان میں انجام دیا گیا، یہ مختصر مقالہ اس کی تفصیل کا متحمل نہیں ہوسکتا، اس سلسلے میں مختصراً یہ عرض کر دیا جائے کہ ہندوستان میں:

۱۳۱ ایسی شرحیں موجود ہیں جو فارسی میں لکھی گئیں اور ان کے لکھنے والوں کے نام معلوم ہیں۔

۱۹ ایسی شرحوں کے خطی نسخے بھی کتب خانوں میں محفوظ ہیں جن کے مصنفین کے نام معلوم نہیں ہوسکے۔

فارسی کی ان شرحوں کے علاوہ پشتو، اردو وغیرہ میں ۳۲ شرحیں ملتی ہیں۔

۱۴ اشعراء نے مثنوی کی پیروی اور اسی کے وزن پر مثنویاں لکھی ہیں۔

مثنوی کے ۱۹ انتخاب موجود ہیں۔

مثنوی کی دو فرہنگیں دستیاب ہیں۔

مثنوی کی حکایات پر کتابیں لکھی گئی ہیں۔

مثنوی میں وارد احادیث پر کام ہوا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے، یہاں مثنوی کا دفتر ہفتم بھی نظم کیا گیا ہے، جو موجود ہے۔ یہ تو اجمالی گزارش تھی، اسی ضمن ں چند دیگر امور کا ذکر لازمی ہے۔

ہندوستان میں گیارہویں صدی ہجری میں عبداللطیف گجراتی (م ۱۰۴۸/۹-۱۶۳۸ء) کو سب سے عظیم مثنوی شناس بھنا چاہئے۔ انہیں مثنوی سے خاص شغف تھا، انہوں نے مثنوی کے مشکل اشعار کی شرح لکھی جو ''لطائف معنوی'' کے م سے معروف ہے۔ مثنوی کی فرہنگ لکھی جو ''لطائف اللغات'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے، مزید برآں، ان کا عظیم نامہ یہ ہے کہ انہوں نے مثنوی کا ایک تنقیدی متن بھی تیار کیا جو تقریباً ۵۰ نسخوں پر مبنی ہے، یہ متن ''نسخہ ناسخہ مثنوی'' ،نام سے آج بھی چند کتاب خانوں کی زینت ہے اور غالباً کیا، یقینی طور پر مثنوی کو باقاعدہ مرتب کرنے کی یہ اپنی نوعیت ں پہلی کوشش ہے جو ہندوستان میں کی گئی اور ہمارے لئے قابل فخر ہے۔ اس کے علاوہ خواجہ ایوب لاہوری کی اسرار الغیوب، ولی محمد اکبر آبادی کی شرح مثنوی اور بحر العلوم عبدالعلی لکھنوی کی شرحیں اس لئے بھی قابل ذکر ہیں کہ مولانا پر اہم کام انجام دینے والوں نے وہ خواہ ہندوستان میں ہوں، خواہ ایران وغیرہ میں، ان شرحوں سے استفادہ کیا ہے۔

اس وقت علامہ شبلی کی ''سوانح مولانا روم'' کا ذکر بھی ضروری ہے اور یہ اس وجہ سے کہ اب تک مثنوی کے بارے میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کتابوں کا ذکر ہوا، ان میں بحر العلوم کی شرح کو چھوڑ کر باقی سب عرفانی نقطہ نظر سے لکھی گئی ہیں، علامہ شبلی نے مثنوی کا علم کلام کی روشنی میں مطالعہ کیا ہے، حضرت علامہ سوانح مولانا روم کے دیباچے (ص ۹) میں لکھتے ہیں:

''مولانا روم کو دنیا جس حیثیت سے جانتی ہے، وہ فقر و تصوف ہے اور اس لحاظ سے متکلمین کے سلسلے میں ان کو داخل کرنا اور اس حیثیت سے ان کی سوانح عمری لکھنا، لوگوں کو موجب تعجب ہوگا، لیکن ہمارے نزدیک اصلی کلام یہی ہے کہ اسلام کے عقائد کی اس طرح تشریح کی جائے اور اس کے حقائق و معارف اس طرح بتائے جائیں کہ خود بخود دلنشین ہو جائیں، مولانا نے جس خوبی سے اس فرض کو ادا کیا ہے، مشکل سے اس کی نظیر مل سکتی ہے، اس لئے ان کو زمرۂ متکلمین سے خارج کرنا سخت ناانصافی ہے۔''

ہمارے فقہاء اور عرفا نے الٰہیات، صفات باری تعالیٰ، ثبوت، روح، معاد، جبر و قدر، تصوف، توحید، مقامات سلوک، عبادت، فلسفہ وغیرہ پر اسلامی نقطہ نظر سے بحث کی ہے، اس نوعیت کے مباحث شروع ہی سے موضوع شرح و تفسیر رہے ہیں، علامہ شبلی نے بھی مثنوی میں ان ہی موضوعات سے متعلق مباحث کو علم کلام کی روشنی میں پرکھا ہے اور دکھایا ہے کہ مولانا سے قبل اور حتیٰ کہ بعد کے حضرات بھی ان موضوعات پر اس طرح صراحت سے گفتگو نہیں کر سکے، جو مولانا کا طرۂ امتیاز ہے، مولانا ان مباحث کو تمثیلات کی مدد سے اس طرح واضح کرتے ہیں کہ عام قاری بھی ان موضوعات کی جزئیات، اہمیت اور مناسبت سے واقف ہو جاتا ہے، مولانا کے تمثیلی استدلال نے بعض ایسے مسائل جیسے جبر و قدر اور قناعت وغیرہ کو اس طرح واضح کیا ہے کہ ان کے بارے میں ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔

یہاں مثال کے طور پر علامہ شبلی نے قناعت کے بارے میں مولانا کے عقیدے کی وضاحت کی ہے اور دکھایا ہے کہ مولانا نے اس ضمن میں بعض صوفیہ سے مختلف رویہ اختیار کیا ہے۔

''اکثر صوفیہ توکل کو سلوک کا بڑا پایہ سمجھتے ہیں اور یہ خیال رفتہ رفتہ مختلف صورتوں میں قوم کے اکثر افراد میں سرایت کر گیا ہے، مولانا نے اس مسئلے کو ایک فرضی مناظرے کے ذیل میں طے کیا ہے، یہ مناظرہ جنگل کے جانوروں اور شیر میں واقع ہوا ہے، جانوروں نے توکل اور شیر نے جہد اور کوشش کا پہلو اختیار کیا ہے۔

اس مناظرے میں کسب اور کوشش کے مقابلے میں اہل توکل جن جن چیزوں پر استدلال کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں، مولانا نے ایک ایک کا بیان کیا ہے اور ان کا جواب دیا ہے، پھر کوشش اور جہد کی افضلیت پر جو دلیل قائم کی ہے، وہ اس قدر پرزور ہے کہ اس کا جواب نہیں ہو سکتا، یعنی یہ کہ مثلاً اگر کوئی شخص اپنے غلام یا نوکر کے ہاتھ میں کدال یا پھاوڑا دے دے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ اس کا کیا مقصد ہے، اسی طرح جب ہم کو ہاتھ پاؤں اور کام کرنے کی قوت دی ہے تو اس کا صاف یہی مقصد ہو سکتا ہے کہ ہم ان آلات سے کام لیں اور ارادے و احتیاط کو عمل میں لائیں، اس بنا پر توکل اختیار کرنا گویا خدا کی مرضی اور ہدایت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے خلاف کرنا ہے۔"

علامہ، مولانا کے اس عقیدے کو بیان کرنے کے بعد احتیاطاً یہ بھی لکھتے ہیں کہ "باقی توکل کی جو فضیلت شریعت میں وارد ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ ایک کام میں جب کوشش کرو تو کوشش کے نتیجے کے متعلق خدا پر توکل کرو، کیونکہ کوشش کا کامیاب ہونا انسان کی اختیاری چیز نہیں، بلکہ خدا کے ہاتھ ہے۔"

مسائل کے تجزیئے اور ان کے حل کرنے میں مولانا کا دوسروں سے مختلف رویہ اختیار کرنے کا سبب علامہ شبلی کی نظر میں یہ ہے کہ یہ طریقۂ دین ہے، مولانا کے کمال اجتہادی اور قوت قدسیہ کی۔

علامہ شبلی مولانا روم کی مثنوی کی فضیلت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"فارسی زبان میں جس قدر کتابیں نظم ونثر میں لکھی گئی ہیں، کسی میں ایسے دقیق، نازک اور عظیم الشان مسائل اور اسرار نہیں مل سکتے جو مثنوی میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، فارسی پر موقوف نہیں، اس قسم کے نکات اور دقایق کا عربی تصنیفات میں بھی مشکل سے پتا لگتا ہے، اگر علماء اور ارباب فن نے مثنوی کی طرف تمام کتابوں کی نسبت زیادہ توجہ کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ "ہست قرآن در زبان پہلوی" تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔"

ہندوستان میں مولانا اور ان کی مثنوی کی مقبولیت کا ذکر ہو اور علامہ اقبال کا نام نہ آئے، یہ ناممکن ہے، مولانا روم اور بال پر کسی بھی بحث کا یہ موقع نہیں، چونکہ یہ بڑا طویل موضوع ہے، اس لئے اس ضمن میں یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ مولانا کو نہ صرف اس براعظم میں بلکہ باہر کی دنیا میں بھی متعارف کرانے کی جو کوشش اقبال نے کی ہے، وہ خود ایک تاریخ ساز واقعہ ہے، مجھے یہ عرض کرنے میں کوئی تردد نہیں کہ باہر کی دنیا میں مولانا پر آج جو توجہ دی جارہی ہے، اس کی بڑی وجہ مولانا کے بیسویں صدی کے اسی مزید پر خلوص کی فارسی اور اردو میں بے نظیر آثار کی مرہون منت ہے۔

☆......☆......☆

خاورین (کورس)

100% فیصد ہربل

اعصابی، جسمانی اور جوڑوں کے درد کی حیرت انگیز دوا

جوڑوں کا درد، لنگڑی کا درد، گھٹنوں اور کمر کا درد، اعصابی اور جسمانی دردیں، ورم، یورک ایسڈ کی زیادتی کا فوری اور مؤثر حل

نوٹ: خاورین (کورس) کو ایک ماہ بلاناغہ استعمال کیجئے یقیناً آپ کو بہتر نتائج ملیں گے تو مزید کچھ عرصہ استعمال کرلیں۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ آپ اس اذیت ناک مرض سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے۔

مزید مشورہ کیلئے حکیم حافظ سید محمد احمد (لاہور)

042-38477326
0332-8477326

© rasailojaraid.com